

## باب 7

## محدود مسائل

آپ کا دل چاہتا ہے کہ آپ لا محدود صلاحیتوں کے مالک ہوں اور محبت کے نہ خشک ہونے والے چشموں کی طرح اپنے بچوں کی اُمگلوں اور خواہشات کو پورا کر سکیں۔ آپ شاید ان کے پیدا ہوتے ہی یہ ٹھان لیتے ہیں کہ انہیں راہنمائی مہیا کریں اور اچھی راہوں پر گامزن کر سکیں۔

آپ چاہتے ہیں کہ آپ حیران کر دینے والے والدین بن جائیں!

لیکن ایک دن بد قسمتی سے جب بچے نشیلا راہوں اور اُلجھنوں میں پھنس کر آپ کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں تو دراصل وہ آپ کی ایسی ہی خوش فہمیاں دور کر رہے ہوتے ہیں۔

ٹف لوکا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ

والدین کے

مادی و جذباتی

وسائل محدود ہوتے ہیں!

زیادہ تر والدین تلخ تجربوں میں سے گزرے بنا اس حقیقت کو نہیں مانتے ہیں۔ آپ کے بچے پل پل آپ کو آپ کی خامیوں کا احساس دلاتے رہتے ہیں اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ خود کبھی انہوں نے اپنے نشے اور غلط رویوں پر غور نہیں کیا۔

کیا آپ نے تجربے سے کچھ سیکھا ہے؟

اگر آپ نے تجربہ سے کچھ نہیں سیکھا تو اصل افسوس اس بات کا کیا جاسکتا ہے کہ ایک ہی غلطی بار بار کرنا اور ہر دفعہ یہ توقع رکھنا کہ آپ کو مختلف نتیجے ملے گا یا یوں کا نسخہ ہے۔ آپ اپنے بچوں کے حالات سنوارنے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور ایک خوش و خرم گھرانہ تشکیل دینے کا عزم رکھتے ہیں، آپ اپنے بچوں کو یہ باور کرانے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ آپ بہترین والدین ہیں۔

آپ اپنے بچوں کے لئے روشن اور سنہرے خواب دیکھتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر حقیقت کا

روپ نہیں دھارتے۔ آپ کے منصوبے اس لیے ادھورے رہ جاتے ہیں کہ آپ کے مادی و جذباتی وسائل ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ تمام والدین بہترین بننے کی لگن میں حقیقت سے دور چلے جاتے ہیں اور اوسط درجہ کی کارکردگی کا مظاہرہ بھی نہیں کر پاتے اور پھر وہ از خود یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی برتی ہے اور یوں وہ احساس گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس سارے عمل میں وہ کہیں یہ نہیں سوچتے کہ ان کے بچوں کے رویے اور کردار کی ذمہ داری خود اُس پر عائد ہوتی ہے اور آپ محض اپنے محدود وسائل کی حدود میں رہتے ہوئے ہی اُس کی مدد کر سکتے ہیں۔ ایسی ہی کوششوں میں والدین پر یہ الزام بھی لگتا ہے کہ وہ اپنی اولاد پر ضرورت سے زیادہ دباؤ ڈال رہے ہیں وارنہیں اپنی مرضی سے چلانے کے لیے دھکم پیل کر رہے ہیں۔ اگر والدین شدید کوششیں نہ کریں تو یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ انہیں اولاد کی پرواہ نہیں اور وہ تکلیف میں اولاد کا ساتھ نہیں دے رہے۔ جب والدین کا بچوں کے ساتھ تنازعہ ہوتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ محض والدین کے محدود مادی اور جذباتی وسائل ہوتے ہیں۔ بچہ نشے کی بیماری میں مبتلا ہو اور خود سری کا مظاہرہ بھی کرے تو والدین بے بسی میں آہستہ آہستہ نڈھال ہونا شروع ہو جاتے ہیں، ان کا کام کاج اور کاروبار پر توجہ دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ روزمرہ کام کاج میں جن لوگوں سے آپ کا واسطہ پڑتا ہے بالآخر وہ بھی آپ کی لا پرواہی کی شکایت کرنے لگتے ہیں۔ ااپ کے سونے جاگنے میں ربط نہیں رہتا حتیٰ کہ آپ کے احساسات کھو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ سوچ سہارا دے سکتی ہے کہ

والدین کے

مادی و جذباتی وسائل محدود ہوتے ہیں!

یہاں یہ محسوس کر لینا بھی ضروری ہے کہ وہی معاشرہ جو والدین کو بچوں کی خاطر ہر حالت میں تلخیاں جھیلنے کا سبق دیتا ہے، بڑی سادگی سے نوجوانوں کے غلط رویوں، تلخیوں اور زور زبردستیوں کو محض ان کی نفسیاتی مشکلات قرار دے کر ان کو شہ دے دیتا ہے! اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین ذمہ داری کے جس عہدے پر "فائز" ہوتے ہیں قدرتی طور پر ہم ان سے زیادہ توقعات وابستہ کر لیتے ہیں لیکن ہمیں ایسا کرتے ہوئے والدین کے محدود مادی و جذباتی وسائل کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

اس سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ والدین کے وسائل محدود ہوتے ہیں لیکن آپ بچوں کے تباہ کن رویے جس طرح برداشت کرتے ہیں اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ کی سوچ کی

کسی تہہ کے نیچے یہ خیال بسا ہوا ہے کہ والدین کے وسائل لامحدود ہوتے ہیں اور وہ چاہیں تو ضرورت سے زیادہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

اگر آپ صاف طور پر اس حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کریں تو آپ کو پتا چلے گا کہ آپ جس طرح ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اولاد کے لیے کوششیں کرتے ہیں، وہ اولاد سے آپ کی محبت اور لامحدود خواہشات کا اظہار ہے۔ والدین جب اپنی خواہشات اور فرائض کو یکساں تسلیم کر لیتے ہیں اور اندھا دھند بچوں کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں تو ایک دن انہیں کہنا پڑتا ہے کہ بس! یہ ہماری آخری حد ہے!

بچوں کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ہم اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلا لیتے ہیں۔ جب بچے اپنے رویوں سے ہمیں دکھ دیتے ہیں اور بے جا غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں تو بھی ہم اس امید پر اپنے بچوں کے ساتھ مہربانیاں کرتے رہتے ہیں کہ شاید کسی دن وہ ہمیں پسند کرنے لگیں اور اپنے رویوں میں کوئی بہتری لے آئیں۔ اُن کی خوشنودی کی خاطر آپ اتنی دور تک چلے جاتے ہیں کہ جہاں سے واپسی بہت مشکل نظر آتی ہے۔

اپنے جذبات کے اظہار میں بھی کچھ حدود کا خیال رکھیں، انتہاؤں کو چھونا خود مریض کیلئے بہتر نہیں۔

مریض مذاکرات کرتا ہے اور گھر والے انہیں رعایت دیتے رہتے ہیں۔ اگر بچہ غلطی کرنے پر معذرت کرتا ہے تو والدین فوراً معاف کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں تھوڑے سے تحمل کے مظاہرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جلد راضی باضی ہونا درست نہیں۔ آپ کے راضی ہونے پر مریض پرانے رویوں کی طرف واپس لوٹنے لگتا ہے۔

مریض کی رائے کی آپ کی نظر میں زیادہ اہمیت نہیں ہونی چاہیے۔ مریض سے اپنی جذباتی ضروریات کی تسکین نہ چاہیں۔ والدین کی حیثیت سے اپنے وزن اور عہدے کو محسوس کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کس مقام پر دیکھ رہا ہے۔

بچوں کو اتنا ہی پیار دیں جتنے کہ وہ حق دار ہیں اور اتنی ہی گرفت کریں جتنی کی ضرورت ہے۔ آپ کے مالی اور جذباتی وسائل بہر حال محدود ہیں اور اگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے تو بہتر ہے یہ بات آپ نوجوانوں کو اکثر و بیشتر یاد دلاتے رہیں۔ آپ کچھ چیزیں جو بچوں کے چاہے بنا ہی مہیا کرتے رہتے ہیں اور یہ جو آپ واپسی میں اپنے بچوں سے مہربانیوں کا بدلہ نہیں چاہتے تو اس طرح آپ اپنے ہاتھوں انہیں غیر ذمہ دار بنانے کے ذمہ دار بن جاتے ہیں۔ ایک طرف تو آپ

نوجوانوں کی صلاحیتوں کا پوری طرح اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں دوسرے طرف آپ انہیں اپنی محبت بغیر کسی شرط کے بانٹتے رہتے ہیں۔

ایسے تو آپ اپنی انمول محبت کو خود ہی بے قیمت بنا دیتے ہیں! جب کوئی چیز مفت میں ملتی ہے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ آپ اپنی محبت بیچ نہیں سکتے لیکن اس میں کیا شک ہے کہ آپ اپنے بچوں سے محبت کے بدلے میں شکر یہ، احترام اور تعاون کی توقع تو بہر حال رکھتے ہی ہیں۔ جب تک کسی گھر میں محبت اور تعاون کا بائرسسٹم کام نہیں کرتا، بدتمیزی اور ہنگامہ آرائی جیسے مسائل سر اٹھاتے رہتے ہیں۔

جتنا آپ بچوں پر مفت میں مہربانیاں کرتے ہیں اتنا ہی وہ ان چیزوں کو اپنا قدرتی حق تصور کر لیتے ہیں۔ ایسے میں جب کبھی وہ کوئی مطالبہ کرتے ہیں اور آپ پورا نہیں کر پاتے تو وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا حق غصب کر لیا گیا ہے اور وہ احتجاج کرتے ہوئے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آپ کو طعنے دینے پر اتر آتے ہیں اور آپ خود پر ناحق پریشان کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔

اس کے لیے خود آپ کو اپنی جذباتی حدود کا احترام کرنا پڑے گا، اپنے جذبات کو مجروح کر کے آپ صرف رنج پائیں گے۔ آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ اولاد کے سامنے کھلم کھلا اس حقیقت کو مان لیں کہ آپ کے مادی اور جذباتی حدود محدود ہیں۔ پھر ان سے یہ تقاضا بھی کرنا چاہیے کہ وہ ہر حالت میں اپنی حد کے اندر رہیں کیونکہ والدین اور اولاد اپنی اپنی حد میں رہیں تو ایک دوسرے کو زحمت سے بچا سکتے ہیں۔

یہ بات صد فیصد درست ہے کہ اولاد کا وجود آپ کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ آپ کے لیے خوشیوں کا سرچشمہ ہیں، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ محبت کے حقدار ہیں، لیکن بارہا وہ آپ کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ جیسے وہ تو محض کانچ کے کھلونے ہیں اور ہر دم ٹوٹنے کے لیے تیار رہتے ہیں، سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا والدین گوشت پوست کے انسان نہیں ہوتے؟ کیا ان کے سینے میں دل نہیں دھڑکتا؟ کیا ان کے کوئی حقوق نہیں ہوتے؟ والدین کے بھی احساسات اور ضرورتیں ہیں جن کی طرف نوجوانوں کو توجہ دینی چاہیے۔ جب آپ نوجوانوں سے تقاضے کریں گے تب ہی وہ آپ کو عزت سے نوازیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تقاضا کرنے میں ہم اتنی دیر کیوں کرتے ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ نشہ کے بیمار کی حیثیت سے انہیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے لیکن

یہ کتب میں لیکھا ہے کہ آپ ان کی خاطر پل پل جھوٹ بولیں، ان کی پردہ پوشیاں کریں، ان کے تاوان بھریں اور جب وہ قانون ہاتھ میں لیں تو ان کے لیے رہائی خریدیں۔ آپ کی ایسی کون سی مجبوری ہے کہ آپ ایسے تمام موقعوں پر جب قدرت کی طرف سے انہیں راہ راست پر آنے کے لیے خاص اشارے مل رہے ہوتے ہیں آپ نجاب دہندہ بن کر اپنی "مدد" فراہم کرتے ہیں اور سب کچھ درہم برہم کر دیتے ہیں؟ خاص طور پر اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں لیکن دل کی گہرائیوں میں آپ اس سوال کا جواب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر آج اور ابھی آپ کو اس بات کا ہلکا سا شعور بھی ہو چکا ہے تو کیوں نہ آپ اپنے نشے سے بیمار بچوں کو کھل کر بتادیں کہ نشہ کی بیماری سے نجات کے لئے خود ان کی طرف سے شدید کوششوں کی از حد ضرورت ہے۔

میرے ساتھ طے شدہ پہلی ملاقات پر عدیل نے پہنچنے کا بلکہ اس کی بجائے اس کے والدین آئے۔ وہ اپنے بائیس سالہ برخوردار کے رویے پر نالاں تھے اور ماپوسی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے وقت سے پہلے ہی عدیل کو مطلع کر دیا تھا کہ انہوں نے امراض نشیات کے ماہر کے ساتھ اس کی ملاقات کا بندوبست کیا ہے جس پر خفگی کا اظہار کر کے وہ گھر سے نکل گیا تھا۔ انہیں رات گئے تک اس کے متعلق کچھ خبر نہ تھی، انہوں نے رات کا زیادہ حصہ اس کے متعلق وسوسوں میں پریشان رہ کر گزارا، انہیں رات کچھ زیادہ ہی لمبی لگ رہی تھی۔

عدیل کے والدین نے مجھے جو کہانی سنائی وہ میں ہزاروں مرتبہ سن چکا تھا پھر بھی انہماک سے سنتا رہا۔ عدیل کا بچپن عام بچوں کی طرح تھا، اس کے بہت سے دوست تھے، سولہ سال کی عمر تک وہ ایک پیارا، ذہین اور "بیبا" بچہ تھا۔ اس کے بعد اس نے پرانے دوستوں کو چھوڑ کر نئے دوست بنا لیے، پھر 14 اگست کو وہ بھی ان سینکڑوں نوجوانوں میں شامل تھا جو یوم آزادی پر موٹر سائیکل کا اگلا پیہیہ اٹھا کر لاہور کی سڑکوں پر بمبارطیاروں کی طرح لوگوں کو ہراساں اور زخمی کر رہے تھے۔ اس میں بھی بے چینی، ناراضی، بدتمیزی، لالچ اور عدم دلچسپی کی علامتیں نمایاں طور پر نظر آئے زلکیں۔

حالات بہت زیادہ بگڑنے سے پہلے ہی عدیل کے والدین کو پتا چل گیا۔ اس کے کمرے سے چرس اور سگریٹ بنانے والے کاغذ برآمد ہوئے۔ باز پرس کرنے پر اس نے کہا "میرے سب دوست یہی کرتے ہیں، اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟ اس کا دو ٹوک فیصلہ تھا کہ جب اس کا دل چاہے گا وہ چرس پیئے گا، اس میں ہرج ہی کیا ہے؟

جب اس کے والدین مجھ سے ملاقات کر کے گھر پہنچے تو وہ واپس آچکا تھا اور اپنے کمرے ہی

میں تھا۔ حاجی محمد صدیق نے عدیل کو اپنے ساتھ میرے پاس آنے کے لیے کہا۔ عدیل کا وہی ایک جواب تھا "نہیں! میں کیوں جاؤں؟ مجھے کوئی تکلیف نہیں، آپ کو ہے، آپ سو دفعہ جائیں۔" جب حاجی صاحب نے اصرار کیا تو اس نے پھر گھر سے چلے جانے کی دھمکی دی۔ حاجی صاحب نے اطمینان سے جواب دیا "تم گھر سے جانا چاہتے ہو، یہ اس مسئلے کا حل نہیں، اگر یہ تمہارا سوچا سمجھا فیصلہ ہے تو میں تمہیں نہیں روکتا تاہم گھر میں رہنے کی صورت میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر ضرور جاؤں گا۔"

حاجی محمد صدیق عدیل کے چند گھنٹے بعد ہی لوٹنے کی وجہ جانتے تھے کیونکہ میرے ساتھ ٹریننگ میں نوجوانوں کے گھر سے چلے جانے کی دھمکی پر صبح رد عمل سیکھ چکے تھے، وہ سب کچھ شعوری طور پر کر رہے تھے۔ یہ صورتحال عدیل کے لیے غیر متوقع تھی، وہ پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اپنی ماں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور میرے پاس آنے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ اپنے والد کے بدلے ہوئے تیور دیکھ چکا تھا اور اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ وہ سڑکوں پر مارا مارا نہیں پھر سکتا، چارونا چاروہ مجھ سے ملنے پر رضامند ہو گیا۔

عدیل نے یوں ظاہر کیا کہ گویا وہ سب جانتا ہے اور اسے مدد کی ضرورت نہیں، اس کے رویے میں میرے اور والدین کے لیے واضح ناپسندیدگی جھلک رہی تھی۔ تنہائی میں بات چیت کرنے اور یہ جاننے کے بعد کہ والدین اسے علاج کے بغیر گھر لے جانے کے لئے تیار نہیں تو اس کا رویہ جارحانہ ہو گیا مگر کچھ ہی دیر میں وہ ہسپتال داخل ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ آج حاجی محمد صدیق کہتے ہیں "میرے ساتھ زندگی میں ہونے والی سب سے خوبصورت چیز عدیل کی "واپسی" ہے۔"